DOI: https://doi.org/10.52541/fn.v60i1.1819

ترجمہ و تفسیرِ قرآن میں عربی اسالیب کی چند بڑی دشواریاں اور ان کا حل

محمد فیضان الرحمٰن ۞

Few Difficulties of Arabic Lnaguage to Understand the Holy Qur'an for Contemporary People

Muhammad Faizan ur Rahman ۞

Abstract: To gain benefit of the exegeses in Arabic language which makes incumbent for the reader to learnt Arabic at high level to understand the Qur'an and other Arabic text. Therefore, in sub-continent, the students of religious institutions read the morphology from different Arabic books like ***Shāfia*** by ibn al-Ḥājib, ***Sharḥ al Jāmī, Hidāyat al-Naḥav, al-Kāfia*** etc. The matter is quite different now a days espcecially for Qur'anic understanding even among religious scholars. In this article, some difficulties are explored which are faced during the translation of the Holy Qur'an into different languages such as Urdu, English and Pashto that needs to resolve. In Qur'anic verses, the usage of letters and prepositions make difficulties to understand its meaning for non-Arabic people. Few traditional scholars has already mentioned theses difficulties in his work like Shah Walīullah Dehlvī. The best examples are English translation by Arbetrry and Urdu translation by Mufti Taqi Usmani may adopte for Pshto readers.
Keywords: Qur'an, translation, difficulties, understanding, contemporary,

Summary of the Article

The article highlights key difficulties to understand Qur'an in non-Arabic peapole. The legacy of the article has to give the way out for solution of such problems in Qur'anic translation. There are some letters in Arabic which are termed as "Zaid" but Zaid does not imply that they have no meaning. The scholars who have profound knowledge have mentioned their meaning. For example, أن has been mentioned in surah Yusaf in the verse فَلَمَّآ أَن جَاءَ الْبَشِيرُ which has been translated by many without considering the meaning of أن is exapained in the following way: "When the giver of the good tiding came". But with the consideration of أن its translation will be as soon as the giver of the good tiding

۞ قاضی آباد تورمنگ، ضلع لوئر دیر۔

۞ Qaziabad, Tormang, Distt. Lower Dir.

came or no sooner did the giver of the good tiding came, In urdu the word جونہی is used.جونہی خوشخبری دینے والا آیا--- in Pashto the word "ځنګ" is used -ځنګ چہ زیرے ورکونکے راغے
In the verse فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ the scholars wrote that the benefit of ما is the reinforcement of the mercy with the preposition. Because a word is fronted for many purposes one of which is the meaning of exclusivity "قصر" but when ما is used it becomes clear that only exclusivity is meant in categorical way.
Furthermore, in the Holy Qur'an the story of the tablets of the Tora given to Musa (Peace be upon him) has been mentioned. Here the word ألقى has been mentioned with its translation: "he dropped the tablets". This has been based by their opinion that إلقاء has only one meaning i.e. "to drop something" while it has the other meaning: "to put something". Accordingly it may understand that the Musa (Peace be upon him) put the tablets on the earth and give preference to the reprimand of his community on the committing to the "Shirk" first and then explained the commandments written on the tablets.
Sometimes, the usage of general to specific and specific to general change the meaning with its understanding. The verse فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ has been translated in difficult way to understand because the word قهر has been translated to anger while this word has more comprehensive meaning in Arabic. It means oppression of every kind. So the correct translation will be "do not oppress orphans". It will include besides undue anger, capturing his wealth, pressurizing him, exploiting his weak status and helplessness due to orphanage etc. So in the light of all this I suggested the word "زوروړتيا" for the translation of قهر in this way the transition will be " ده يتيم سره زوروړتيا مه کوه " in Pashto.

Finally the attention is diverted to the translation of مفعول مطلق to Pakistani languages. In (ضرب زيد عمرا ضرباً)، عمراis مفعول مطلقif it is translated literally in the following way: Zaid beated 'Amar beating, it will seem very odd but in Pashto the same has been done. The Urdu translations do not use such kind of expressions because the sentence زید نے عمرو کو مارا مارناwill seem odd to them. In this case, Muftī Taqī Usmānī used the words like"مکمل طورپر" or "خوب" in his translation. Arberry has used the adverb "utterly" for this purpose. For example in the verse وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا has been translated with "And each ruined ulterlly".

Considering these difficulties the translation of the Holy Qur'an is a very difficult work. So any one who has not equipped with all the academic instruments such as the morphology, syntax and the art of rhetoric should not adventure such kind of difficult work. If he wants to get reward from Allah, he should seek other ways in this regard because to protect oneself from the harm takes precedence over gaining benefit.

تمہید

قرآن کریم کو کما حقہ سمجھنے کے لیے عربی زبان میں لکھی گئی معتبر تفاسیر کے سمجھنے کی ضرورت ہے اور ان تفاسیر کو سمجھنے کے لیے معیاری عربی کا فہم ناگزیر ہے۔ بد قسمتی سے عربی کا معیار دن بدن گر رہا ہے جس کی وجہ سے عربی تفاسیر تک رسائی میں آج کے قاری کو دشواریوں کا سامنا ہے۔ ہمارے ہاں پہلے ایک طالب علم علمِ صرف میں **میزان الصرف**، **زرادی**، **زنجانی**، **مراح الأرواح** اور **شافية ابن الحاجب** پڑھتا، جب کہ علمِ نحو میں **نحو میر**، **هداية النحو** اور **الكافية** پڑھنے کے بعد بہت جاں فشانی سے **شرح الجامي** جیسی عمیق کتاب پڑھ کر علمِ نحو کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتا تھا۔ آج ان میں سے بعض کتابوں کا درسِ نظامی سے الغا ہو چکا ہے اور ان علوم کے اجرا و تطبیق کی صورتِ حال بھی بہت سے مدارس میں کم زور ہو گئی ہے جس کا اثر براہ راست قرآن فہمی پر پڑتا ہے۔

چناں چہ راقم نے علمِ تفسیر کے بہت سے طالب علموں سے قرآن کریم کے بعض صیغوں مثلاً و لا هم يستعتبون میں يستعتبون کے بارے میں پوچھا کہ جب یہ صیغہ عتاب سے ہے تو کیسے راضی کرنے کی طلب سے اس کا ترجمہ صحیح ہو گا کہ کفار سے آخرت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو (اب) راضی کریں؛ جب کہ عتاب کے معنی ملامت کے ہیں تو کسی نے جواب نہیں دیا۔

راقم نے زیرِ نظر مقالے میں امہات کتبِ تفسیر نیز اردو، انگریزی اور پشتو کے بعض قرآنی تراجم کو سامنے رکھتے ہوئے بعض مشکلات کی نشان دہی کی ہے۔ یہ مشکلات مختلف نوعیتوں کی ہیں، مثلاً سورۂ یوسف میں ﴿فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ﴾ میں "أن" کا معنی۔ بعض حروفِ معانی کا عام اور مشہور معنیٰ سے ہٹ کر نسبتاً غیر معروف معنیٰ میں مستعمل ہونا جیسے: ﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ یہاں "في" کے معنی "بہ نسبت" کے ہیں جو کہ اس کے عام استعمالات میں سے نہیں ہے۔[1] اسی طرح بعض اوقات رسم الخط کی وجہ سے آیت سمجھنے میں دشواری پیش آجاتی ہے: جیسا کہ ﴿لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ﴾[2] اسی طرح وہ الفاظ جو ہماری زبانوں نے عربی سے لیے ہیں، لیکن بعد میں ان کے معنی میں کچھ

۱۔ ابن ہشام انصاری، **مغنی اللبيب عن كتب الأعاريب** (قاہرہ: عبد الحمید احمد حنفی، س ن)، مادہ "فی"۔

۲۔ القرآن، ۱۸: ۳۸۔ ('لكنا'، حرفِ مشبہ بالفعل (لكنّ) اور ضمیر جمع متکلم (نا) کا مرکب نہیں ہے۔ بلکہ یہ اصل میں 'لکِن'

تغیر آیا ہے، چناں چہ اگر ترجمے میں ان کو جوں کا توں رکھا جائے تو ایسا ترجمہ غلط قرار پائے گا، مثلاً نہر کا ترجمہ اردو یا پشتو میں نہر سے کیا جائے اور دریا سے نہ کیا جائے تو یہ ترجمانی درست نہ ہو گی؛ کیوں کہ جب تک حقیقی معنی کے مترادف سے ترجمے پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا تو مجازی معنی کے مترادف سے ترجمہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ انھی مشکلات میں سے ایک مثال مفعولِ مطلق کی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فارسی میں مفعول مطلق کا ترجمہ بہت مشکل ہے[۳] لیکن بات صرف فارسی تک محدود نہیں ہے بلکہ اردو، پشتو اور انگریزی میں بھی مشکل ہے۔ اسی طرح کچھ الفاظ ایک سے زیادہ معنوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ اگر ان معنوں میں سے مرادی معنیٰ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو ترجمے اور فہم میں غلطی آجاتی ہے۔ مثلاً ألقى على وجهه اور ألقى الألواح میں ألقى کا ترجمہ۔

زیرِ نظر مقالے میں ان مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی اور آخر میں علمی نتائج کو ذکر کیا جائے گا۔ مشکلاتِ قرآن کی یہ بحث کسی کتاب سے ماخوذ نہیں بلکہ راقم کے اسلامی اور عربی علوم سے چالیس سالہ تعلق کے نتیجے میں سامنے آئی ہے۔

قرآن کریم کی بعض مشکلات اور ان کا حل

مشکل ۱: زائد معلوم ہونے والے الفاظ کا ترجمہ

ابن ہشام انصاری[۴] اپنی مشہور کتاب **مغني اللبيب** میں بتاتے ہیں کہ صرف اس بات پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ کوئی حرف صرف تزیین کے لیے ہے۔ مثلاً سورۂ یوسف میں ﴿**فَلَمَّآ أَنْ جَآءَ الْبَشِيرُ أَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيرًا**﴾ میں کچھ مفسرین نے "أن " کو زائد قرار دیا ہے، لیکن اسماعیل حقی البروسوی نے **مغني اللبيب** کے قول کے مطابق[۵] اس کا فائدہ یہ قرار دیا ہے کہ جو نہی بشارت دینے والا یعقوب علیہ السلام کے

اور 'أنا' ہمزہ حالت وصل میں گر گئی اور 'لکن' کے نون کا 'نا' کے ساتھ۔۔ ہو گیا۔ 'ھو' ضمیرِ شان ہے اور یہ معنی یہ ہے: لیکن میری شان یہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے۔)

۳۔ شاہ ولی اللہ دھلویؒ، "المقدمۃ في قوانين الترجمۃ" در تحقیقی مجلہ **شعور و آگہی**، لاہور، ادارہ رحیمیہ، ۱۱۷۔

۴۔ ابن ہشام انصاری، **مغني اللبيب** (قاہرہ: عبدالحمید احمد حنفی، س ن)، مادہ: حرف "ان"۔

۵۔ اسماعیل حقی البروسوی، **تفسير روح البيان** (بيروت: دارإحياء التراث العربي، س ن)، ۱: ۴۰۷۔

پاس آیا، یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کی قمیص یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام کے چہرے پر رکھی۔ یعنی ان دونوں کاموں میں: بشارت دینے والے کے آنے میں اور یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام کے چہرے پر قمیض رکھنے میں کوئی وقت نہیں گزرا اور اس نے فوراً یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام کے چہرے پر قمیض رکھی اور یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام کی بصارت لوٹ آئی۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں: "أن صلة زائدة لتأكيد الفعلين واتصالهما حتى كأنهما وجدا في جزء واحد من الزمان."

اردو زبان میں اس کے لیے جونہی کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جب کہ انگریزی میں as soon as اور No sooner did than والی تعبیریں استعمال ہوتی ہیں۔

مشکل ۲: کلماتِ تاکید کا ترجمہ و تفسیر

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں معتبر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں "ما" کا فائدہ حصر کی تاکید کا ہے۔ جار مجرور کا مقدم کرنا یہاں حصر کے لیے ہے کیوں کہ کبھی جار مجرور کا مقدم کرنا یا دیگر اجزا کا مقدم کرنا، جن کا حق بعد میں ذکر کرنے کا ہوتا ہے، کبھی دوسرے اغراض کے لیے بھی ہوتا ہے، جن میں سے ایک غرض تاکید ہے۔ یہاں جب حرف جر کے بعد "ما" آیا ہے تو اس سے حصر کے معنی یقینی ہو جاتے ہیں۔ ترجمہ اس طرح بنے گا: تو آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اسی طرح ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ﴾[٦] میں بھی لفظ "ما" تقدیم کی وجہ سے محتمل قصر کو یقینی بناتا ہے۔[٧] یہاں تاکید کے بیان کے لیے جاراللہ زمخشری کے الفاظ نقل کرنے کے قابل ہیں: "﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ فبنقضهم و ما مزيدة للتوكيد... وأما التوكيد فمعناه تحقيق أن العقاب أو تحريم الطيبات لم يكن إلابنقض العهد وما عطف عليه من الكفر و قتل الأنبياء وغير ذلک." (ان کے عہد و پیمان توڑنے ہی کے سبب۔۔ اور ما (یہاں) تاکید کے لیے اضافہ کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ سزا اور پاکیزہ چیزوں کی تحریم صرف اور صرف عہد و پیمان کے توڑنے اور اس پر جو چیزیں عطف کی گئی ہیں کے سبب مقرر کی گئی ہے جو کہ کفر، انبیا کا قتل وغیرہ ہیں۔)

٦۔ القرآن، ۴: ۱۵۴۔

٧۔ جار اللہ الزمخشری، **الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل و عيون الاقاويل في وجوه التأويل** (قم: مكتب الإعدام الإسلامي، ۱۴۱۴ھ)، ۱: ۴۳۱۔

مذکورہ وضاحت کی روشنی میں جب یہ لمبی آیت پڑھی جائے تو قصر اور اس کی تاکید خوب واضح ہو جائے گی۔

مشکل ۳: خاص قواعد کی وجہ سے صیغوں کے ترجمے میں دشواری

کچھ صیغوں کے فہم میں دشواری اس لیے آتی ہے کہ ان کے لیے خاص قواعد ہوتے ہیں۔ اگر ان کو عام قواعد پر قیاس کیا جائے تو غلط فہمی کا امکان ہوتا ہے: مثلاً قرآن کریم کی آیت ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ﴾[۸] (اس دن کو یاد کرو) جب ہم ہر امت سے ایک گواہ اٹھائیں گے جو کہ ان کا نبی ہو گا پھر کفار کو نہ عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان کو راضی کرنے کا کہا جائے گا۔)

یستعتبون (استعتاب باب استفعال سے فعلِ مضارع مجہول) کا مجرد عتاب ہے۔ اس کا مطلب بہ ظاہر یہ ہونا چاہیے کہ ان سے ملامت کرنے کو طلب نہیں کیا جائے گا، جب کہ قرآنی تراجم میں اس کا ترجمہ "لا" نافیہ کی رعایت کر کے یہ کیا گیا ہے کہ ان کو راضی کرنے کا نہیں کہا جائے گا۔ یہاں مشکل یہ ہے کہ عتاب سے راضی کرنے کا معنیٰ کیسے لیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں باب استفعال کو باب افعال یعنی إعتاب سے لیا گیا ہے۔ جس کی خاصیات میں سے ایک سلب ماخذ بھی ہے۔[۹] اس طرح اعتاب کا معنیٰ عتاب کے ازالے کا ہو جاتا ہے۔ اب استعتاب کا مطلب ملامت کے ازالے کی طلب کے بن جائیں گے اور معنیٰ یہ ہو گا کہ اس دن کفار سے ملامت کے ازالے کی طلب نہیں کی جائے گی۔ جس کے معنی دوسرے الفاظ میں راضی کرنے کی طلب کے ہیں جس کی نفی "لا" کے ذریعے کر دی گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آخرت عمل کی جگہ نہیں کہ وہاں کیے گئے اعمال سے دنیا میں صادر اعمال کی تلافی کی جائے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں عُتْبَى کا لفظ استعمال کیا ہے جو اسمِ مصدر ہے إعتاب کے لیے، لیکن اصل مصدر إعتاب کا استعمال بہت قلیل ہے کیوں کہ عُتْبَى نے اس کی جگہ لی ہے۔

چوں کہ کبھی یہ صیغہ بہ طور مبنی للمجہول استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ ولا ھم یستعتبون ہے اور

۸- القرآن، ۱۶: ۸۵۔

۹- احمد الحملاوی، **شذا العرف في فن الصرف**، معاني صيغ الزوائد (پشاور: کتب خانہ رشیدیہ)، ۳۳۔

کبھی یستعتبوا آتا ہے جیسا کہ ﴿وَإِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴾ اس لیے اس کے حل کے لیے مشہور مفسر علامہ محمد طاہر ابن عاشور کی تفسیر سے اقتباس نقل کرتا ہوں جس سے یہ دشواری حل ہو جائے گی۔ چناں چہ محمد طاہر بن عاشور فرماتے ہیں:

وَمَعْنَى وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا إِنْ يَسْأَلُوا الْعُتْبَى بِضَمِّ الْعَيْنِ وَفَتْحِ الْمُوَحَّدَةِ مَقْصُورًا اسْمُ مَصْدَرِ الْإِعْتَابِ. وَهِيَ رُجُوعُ الْمَعْتُوبِ عَلَيْهِ إِلَى مَا يُرْضِي الْعَاتِبَ وفِي الْمَثَلِ (مَا مُسِيءٌ مَنْ أَعْتَبَ) أَيْ مَنْ رَجَعَ عَمَّا أَسَاءَ بِهِ فَكَأَنَّهُ لم يسىء. وَقَلَّمَا اسْتَعْمَلُوا الْمَصْدَرَ الْأَصْلِيَّ بِمَعْنَى الرُّجُوعِ اسْتِغْنَاءً عَنْهُ بِاسْمِ الْمَصْدَرِ وَهُوَ الْعُتْبَى. وَالْعَاتِبُ هُوَ اللَّائِمُ، وَالسِّينُ وَالتَّاءُ فِيهِ لِلطَّلَبِ لِأَنَّ الْمَرْءَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا أَنْ يُعَاتِبَهُ وَإِنَّمَا يَسْأَلُهُ تَرْكَ الْمُعَاتَبَةِ، أَيْ يَسْأَلُهُ الصَّفْحَ عَنْهُ فَإِذَا قُبِلَ مِنْهُ ذَلِكَ قِيلَ :أَعْتَبَهُ أَيْضًا، وَهَذَا مِنْ غَرِيبِ تَصَارِيفِ هَذِهِ الْمَادَّةِ فِي اللُّغَةِ وَلِهَذَا كَادُوا أَنْ يُمِيتُوا مَصْدَرَ :أَعْتَبَ بِمَعْنَى رَجَعَ وَأَبْقَوْهُ فِي مَعْنَى قَبِلَ الْعُتْبَى، وَهُوَ الْمُرَادُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى :فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ أَيْ أَنَّ اللهَ لَا يُعْتِبُهُمْ، أَيْ لَا يقبل مِنْهُم. (۱۰)

(وإن یستعتبوا کے معنی یہ ہیں کہ اگر کفار عُتْبَی مانگیں اور عُتْبَی سے مراد یہ ہے کہ ملامت کیا گیا شخص اس کام کی طرف لوٹ جائے جو ملامت کرنے والے کو خوش کرتا ہو۔ چناں چہ عربی کی اس مثل (مَا مُسِيءٌ مَنْ أَعْتَبَ) کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی إساءت کرنے والا إساءت سے باز آجائے تو ایسا ہے کہ گویا اس نے إساءت کی ہی نہیں اور عربوں نے بہت کم مصدر اصلی إعتاب کا استعمال باز آنے کے معنی میں کیا ہے، کیوں کہ ایک اور لفظ عُتْبَی ان کے ہاں موجود ہے جو کہ اسم مصدر ہے اور عاتب ملامت کرنے والے کو کہا جاتا ہے اور سین اور تاء اس میں طلب کرنے مانگنے کے ہیں؛ کیوں کہ کوئی بھی آدمی کسی سے ملامت نہیں مانگتا، بلکہ ملامت ترک کرنے کو مانگتا ہے؛ بالفاظ دیگر درگزر مانگتا ہے تو جب اس کی درخواست قبول کی جاتی ہے تو پھر بھی کہا جاتا ہے أعتبه، اور یہ اس کلمے کی بہت عجیب تصاریف میں سے ہے؛ اس لیے عرب قریب تھے کہ رجوع کے معنی کے اعتبار سے أعتب کا مصدر ختم کریں اور عُتْبَی کے قبول کرنے کے معنی میں اسے برقرار رکھتے جو کہ فَما هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ میں مراد ہے۔)

یعنی جن کاموں سے انسان موردِ عتاب ٹھہرتا ہے اگر ان کو چھوڑ کر یہ انسان وہ کام اختیار کرے جن

۱۰۔ محمد الطاہر بن عاشور، **التحریر و التنویر** (تونس: دار تونس للنشر والتوزیع، س ن)، ۲۴: ۲۷۳۔

سے تلافی ہو تو ملامت کرنے والا خوش ہو جاتا ہے اور اس کے لیے بھی أعتب استعمال ہوتا ہے۔ راضی ہونے والا اعراب کے اعتبار سے فاعل ہوتا ہے اور جن سے راضی ہوتا ہے وہ مفعول بہ؛ چناں چہ اس جملے سے مزید توضیح ہو جاتی ہے: استعتبني فأعتبته (اس نے مجھ سے عتاب ختم کرنے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے اس سے عتاب ختم کیا۔)

ایک سوال اور اس کا جواب

مذکورہ بالا دو آیات سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کفار کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ ان کا استعتاب نہیں کیا جائے گا (ولا هم يستعتبون) اور دوسری مرتبہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اگر یہ کفار اللہ تعالیٰ سے استعتاب کریں (وإن يستعتبوا) تو یہ بہ ظاہر تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا حل **ترتيب القاموس على طريقة المصباح المنير** اور **أساس البلاغة** کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوگا: "استعتبه: أعطاه العتبى و طلب إليه العتبى ضد و العتبى الرضا (اسے رضا سے نوازا۔ اس کی رضا حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کر دی) اور یہ فعل اضداد میں سے ہے یعنی مختلف مواقع پر متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ عربی زبان میں بعض دوسرے الفاظ بھی ہیں تو اب ولا هم يُستعتبون میں استعمال پہلے معنی کے اعتبار سے ہے یعنی کفار (اللہ تعالیٰ) کی رضا سے نہیں نوازے جائیں گے اور (وإن يستعتبوا) میں دوسرے معنی کا اعتبار کیا جائے گا اور ترجمہ اس طرح بنے گا: اگر کفار (اللہ) کی رضا حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کریں۔

اسی طرح ﴿وَإِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴾ کی وضاحت اس جملے سے ہو جائے گی: لايعتبهم الله (اللہ انھیں اپنی رضا سے نہیں نوازیں گے) اسی طرح ایک دوسری قراءت میں (تاء کے زیر کے ساتھ) المعتِبين بھی آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کفار اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کریں تو اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکیں گے۔ جار اللہ زمخشری نے مختصر عبارت سے اس کی وضاحت کی ہے: فما هم

فاعلين أي لا سبيل لهم إلى ذلك[۱۱] (یعنی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا کوئی راستہ اس وقت نہیں ہو گا۔) کیوں کہ آخرت بوئی ہوئی فصل کے کاٹنے کی جگہ ہے۔ نئی فصل اُگانے کی جگہ نہیں کہ انسان ایسا عمل کر کے پہلے برے عمل کی تلافی کرے۔

مشکل ۳: الفاظِ مشترک کے ترجمے میں دشواری

اب ایک ایسی دشواری بیان کی جاتی ہے جو مشترک الفاظ کے ترجمے کے دوران میں پیش آتی ہے۔ اگر کسی کو الفاظ کے استعمالات کا علم نہ ہو اور وہ کسی وجہ سے سیاق کے ساتھ غیر ہم آہنگ لفظ کا انتخاب کرے تو ترجمہ غلط بن جاتا ہے۔ اس لیے مفسر اور مترجم کو چاہیے کہ قرآنی کلمات کے سب استعمالات کا استیعاب کرے اس مقالے کے حجم کی مناسبت سے یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱- عربی کی معتبر لغات میں "ألقی" کے مختلف استعمالات آتے ہیں۔ قاہرہ کی مشہور اکیڈمی مجمع اللغة العربية کی لغت **المعجم الوسیط** میں اس لفظ کے نو سے زیادہ استعمالات دیے گئے ہیں۔[۱۲] ان کا ترجمہ ایک لفظ سے ممکن نہیں۔ اگر ہر جگہ پھینکنے سے اس کا ترجمہ کیا جائے تو غلط ہو گا۔ کسی جگہ اس کا ترجمہ پھینکنے سے صحیح ہو گا تو دوسری جگہ پھینکنے سے غلط ہو گا اور رکھنے سے صحیح ہو گا۔

ان استعمالات کی روشنی میں اگر سورۂ یوسف کی آیت ﴿فَلَمَّآ أَن جَآءَ ٱلْبَشِيرُ أَلْقَىٰهُ عَلَىٰ وَجْهِهِۦ فَٱرْتَدَّ بَصِيرًا﴾ میں ألقی کا ترجمہ "رکھنے" سے کیا جائے تو بہت زیادہ مناسب ہو گا؛ کیوں کہ پھینکنا اور ڈالنا مناسب نہیں ہیں۔ ترجمہ اس طرح بنے گا: ﴿فَلَمَّآ أَنْ جَآءَ ٱلْبَشِيرُ أَلْقَـٰهُ عَلَىٰ وَجْهِهِۦ﴾ (جونہی بشارت دینے والا آیا، اس نے اسے (یوسف علیہ السلام کی قمیص کو) یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر رکھا۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے لیے تورات کے تختیوں کے بارے میں ألقی الألواح کے الفاظ آئے ہیں۔ محتاط مفسرین نے وہاں بھی اس کو رکھنے کے معنی میں لیا ہے نہ کہ پھینکنے کے؛ کیوں کہ پھینکنے سے بے ادبی لازم آتی ہے اور کسی روایت سے صراحتاً پھینکنے کے معنی نہیں نکلتے اور مطلب یہ نکلتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے تختیوں کو رکھ کر ان میں نازل شدہ تعلیمات کے بیان سے پہلے ان سے ان کی غیر حاضری میں اپنی قوم سے شرک

۱۱- جار اللہ زمخشری، **الکشاف** (بیروت: دار الکتب العربي)، ۴: ۱۹۴۔

۱۲- **المعجم الوسیط**، مادہ: ل ق ي۔

کے ارتکاب کے بارے میں پوچھا۔[۱۳] اس کے باوجود ان کلمات کی تفسیر میں ایک عالم نے پھینکنے کا ترجمہ کیا ہے۔[۱۴]

جو مفسرین إلقاء کے صرف ایک معنی "پھینکنے" پر زور دیتے ہیں وہ بھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ تختیاں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے گری تھیں اور انھوں نے ارادتاً گرائی نہیں تھیں۔[۱۵]

۲- اسی طرح قرآن کریم میں استفزاز کے مشتقات کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ لفظِ مشترک ہے اور اس کے مختلف معانی آتے ہیں۔ اس کے ترجمے اور تفسیر میں اس بات کی رعایت ضروری ہے کہ جہاں ساتھ ہی إخراج کا مشتق دیا گیا ہو وہاں استفزاز کا ترجمہ "گھبرا دینے" سے کیا جائے اور جہاں إخراج کو صراحتاً ذکر نہیں کیا گیا ہو، وہاں "ہٹانے" سے اس کا ترجمہ کیا جائے۔

مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ کو پڑھیے: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾[۱۶] یہاں ترجمہ اس طرح ہونا چاہیے: اور قریب تھا کہ کفار مکہ آپ کو زمین (مکہ) سے گھبرا دیتے تاکہ آپ کو اس سے نکالیں اور اگر وہ ایسا کرتے (آپ کو نکالنے میں کام یاب ہوتے) تو آپ کے بعد تھوڑے سے عرصے کے علاوہ کچھ وقت (بھی) نہ گزارتے۔

یہاں فز (مجرد) کے معانی میں سے "گھبرا جانا" زیادہ مناسب ہے، ورنہ ترجمہ اس طرح بنے گا: "قریب تھا کہ آپ کو ہلاتے تاکہ آپ کو نکالتے" جو کہ صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ پشتو کی ایک معتبر تفسیر میں ہلانے (خوزول) سے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔[۱۷] بعض دوسری پشتو تفاسیر میں اس سے متشابہ الفاظ میں ترجمہ کیا گیا ہے، لیکن "زڑہ دکے مکرے دز مکی نہ چوتول" مجھے معیار پر پورا اترنے والا ترجمہ لگتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی اس کا ترجمہ گھبرا دینے سے کرتے ہیں: " اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھبرا

۱۳- عبداللہ الرستمی، **تفسیر قرآن** (لاہور: دارالسلام، س ن) ۲۹۲، القرآن، ۷: ۱۵۱۔

۱۴- نفس مصدر۔

۱۵- **القرآن الكريم و ترجمة معانيه و تفسيره إلى لغة البشتو** (المدينة المنورة: مجمع خادم الحرمين الشريفين، س ن)، ۱: ۹۴۲۔

۱۶- القرآن، ۱۷: ۷۶۔

۱۷- **القرآن الكريم و ترجمة معانيه و تفسيره إلى لغة البشتو** (مدینہ منورہ: مجمع الملك فهد، س ن)، ۱: ۱۶۵۔

دیں تجھ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور اس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا۔" (۱۸)

راقم اس کلمے کی سب جوانب کو دیکھ کر پشتو میں اس کا ترجمہ "زڑہ چوتول" اور اردو میں "دل اچاٹ کرنا" زیادہ مناسب سمجھتا ہے۔

اسی طرح محمد محسن خان نے بھی ترجمے میں صحیح لفظ کا انتخاب کیا ہے جو کہ Frighten ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> And verily they were about to frighten you so much as to drive you out from the land.[19]

اس کے ترجمے میں ایک اور لفظ scare away بھی ہے جو عربی انگریزی لغات میں ملتا ہے۔ یہ بھی راقم کو درست معلوم ہوتا ہے اور مترجمین قرآن نے اس کو استعمال کیا ہے۔

اوپر اس لفظ کا ایک معنٰی "ہٹانے" سے ذکر ہوا ہے۔ قرآن میں دوسری جگہ یہی ترجمہ انسب ہے۔ سورہ اسراء میں فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ **فَأَرَادَ أَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا** ﴾ یہاں مراد یہ ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو اپنے سامنے سے (قتل یا زمین سے نکالنے کے ذریعے) ہٹانا چاہتا تھا اس لیے "ہٹانے" سے ترجمہ صحیح ہوگا۔ جب استفزاز کے ساتھ إخراج جیسے الفاظ کی صراحت موجود نہ ہوتو "اپنی جگہ سے دور کرنا" بھی اس کے معنی میں آجاتا ہے۔ اس لیے ترجمہ اور شرح کرتے وقت سیاق کو دیکھنا چاہیے اور مختلف سیاقات میں لفظ کا مختلف ترجمہ دیکھ کر تعجب میں نہیں پڑنا چاہیے۔

۳- ایک اور لفظ ضال ہے جو کہ مشترک ہے۔ قرآن میں یہ مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہے: ﴿ **وَوَجَدَكَ ضَآلًّا...** ﴾ یہاں اس کا معنٰی صرف "بے خبر" سے کرنا درست ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی تفسیر **معارف القرآن** میں اس کا یہی ترجمہ کیا ہے۔(۲۰) بعض پشتون مفسرین

۱۸- نفس مصدر، ۳۷۹۔

19- Muhammad Muhsin Khan, Muhammad Taqi-ud-Din Al-Hilali, *Interpretation of the Meanings of the Noble Qura'an* (Saudi Arabia: Dept. of Bidg. Mosques & Donation Projects, 1997), 411.

۲۰- مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن** (راولپنڈی: سروسز کلب، ۲۰۰۶ء)، ۷۶۵۔

نے "ناخبرہ" سے اس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ جو کہ صحیح ہے۔

مشکل ۴: جامع مفاہیم کے حامل کلمات کا ترجمہ

اب ہم آتے ہیں حروف کے ان استعمالات کی طرف جن میں وہ زیادہ استعمال نہیں ہوئے تاکہ ترجمہ و تفسیر میں التباس اور غلطی سے حفاظت ہو۔

۱- ہماری زبانوں میں عربی کے کئی الفاظ ایسے آ گئے ہیں جن کے استعمالات میں تصرف واقع ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ان کے معانی بدل گئے ہیں۔ اس کی وجہ سے بسا اوقات جب عربی لکھی یا بولی جاتی ہے تو ان الفاظ کو مقامی مفاہیم کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے، جیسے:"أنا أسكن في هذه العلاقة، وهذا دفتري، أجلس فيه لعدة ساعات" ان جملوں سے عرب یہ مفہوم لیں گے کہ میں اس تعلق میں رہتا ہوں اور یہ میری نوٹ بک ہے میں اس میں چند گھنٹوں کے لیے بیٹھتا ہوں۔ اس طرح کے استعمالات پر عربوں کو حیرت ہوتی ہے۔

اسی طرح جب عربی میں ہم ایسے الفاظ پاتے ہیں جو کہ ہم اپنی زبانوں میں بھی استعمال کرتے ہیں تو ہم اس سے اپنے معنی لیتے ہیں جو کہ غلط ہوتے ہیں۔

پشتو زبان کی جتنی تفسیریں میری نظر سے گزری ہیں ان میں سورۃ ضحیٰ کی آیت ﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴾[۲۱] کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:" هر چه يتيم دے نو ده ته قهر مه كوه "۔اس ترجمے کا اردو ترجمہ اس طرح ہو گا:" یتیم کو غصہ مت کرو۔" لیکن صحیح ترجمہ اس طرح ہو گا:" یتیم کو مغلوب مت کرو یا یتیم کو مت دباؤ۔" پشتو میں ترجمہ اس طرح ہو گا:" د يتيم سره زور ورتيا مه كوه يا يتيم مه مغلوب كوه۔"یتیم کو مغلوب کرنے یا دبانے سے ممانعت کے ترجمے میں جامعیت ہے جو غصہ کرنے میں نہیں ہے۔ اس سے لفظ کی مراد محدود ہو جاتی ہے۔ یتیم کا مال کھانا وغیرہ اس سے نکل جاتا ہے۔ انگریزی میں محسن خان نے ترجمہ oppression سے کیا ہے جو اس لفظ کا جامع ترجمہ ہے۔" Treat not the orphans with oppression"[۲۲]

۲- اسی طرح قرآن کریم میں بعض حروف جارہ ایسے معنوں میں مستعمل ہیں جن معانی میں ان کا

۲۱- القرآن الكريم و ترجمه معانيه و تفسيره الى لغة البشتو (المدينة المنورة: مجمع الملك فهد، س ن)، ۱: ۹۴۲۔

22– Muhammad Muhsin Khan &Taqi-ud-Din al-Hilali, *Interpretation of the Meanings of The Noble Qur'ān in the English Language* (Madina Munawwara: King Fahd Complex, nd), 844.

زیادہ استعمال نہیں ہے۔ اس طرح ان کے فہم اور ترجمے میں دشواری آجاتی ہے، مثلاً ﴿وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِى الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ﴾ سورۃ الزخرف آیت نمبر ۶۰ میں مذکور ہے یہاں "من" بدل کے معنی میں ہے۔

یہاں مراد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو انسانوں کو ہلاک کر کے ان کی جگہ فرشتے پیدا کرتے۔ اس لیے محمد محسن خان نے اپنے ترجمہ میں مندرجہ ذیل الفاظ سے اس کا ترجمہ کیا ہے:

And if it were our will, we would have [destroyed you (mankind) and] made angels to replace you on the earth.

مترجم نے **تفسير الطبري** کا حوالہ دیا ہے۔ **مغني اللبيب** میں ابن ہشام انصاری نے "من" کے معانی کے ذیل میں بھی یہ بیان کیا ہے کہ "من" کے معانی میں سے ایک بدل بھی ہے اور اسی آیت کا حوالہ دیا ہے۔[۲۳]

اسی طرح مندرجہ ذیل آیات میں بھی "من" بدل کے معنی میں آتا ہے:

۱۔ ﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ﴾ (کیا آپ لوگ آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے ہو۔)

۲۔ ﴿لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ (ابن ہشام کی عبارت یہ ہے أي بدل طاعة الله و بدل رحمة الله) تو اس کی روشنی میں ترجمہ اس طرح ہو گا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بدلے نہ ان کا مال ان کا کام آئے گا نہ ان کی اولاد۔

"من" کا یہ استعمال کم ہے، اس لیے اس سے لاعلمی ترجمے میں غلطی کا سبب بن سکتی ہے۔

۳۔ اسی طرح "في" کبھی کبھی نسبت کے معنی میں بھی آتا ہے جس کو قدیم عربی میں مقايسة اور جدید عربی میں مقارنة کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کے لیے Comparison کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ سورۂ توبہ آیت نمبر ۳۸ میں ہے ﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ مذکورہ معنی کی رو سے آیت کا ترجمہ یوں ہو گا: تو دنیا کا فائدہ اخروی فائدے کی بہ نسبت نہیں مگر (بہت) کم۔

۴۔ اسی طرح لما، إلا کے معنی میں آتا ہے جب اس سے پہلے "إن" نفی کے معنی میں مستعمل ہو۔ قرآن

23– Ibid, 667.

کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں بھی "إن" کے بعد لما، إلا کے معنی میں آیا ہے: ﴿وَإِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ﴾ (۲۴)

۵- "إن" کا استعمال اُسلوبِ شرط میں ہوتا ہے اور کبھی ما نافیہ کے معنی میں ہوتا ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم میں ما موصولہ کے بعد بھی آیا ہے تاکہ ما موصولہ اور ما نافیہ، جو کہ نطق کے اعتبار سے ایک ہیں، ایک دوسرے سے متصل نہ آئیں۔ آیت مندرجہ ذیل ہے: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّٰهُمْ فِيمَآ إِن مَّكَّنَّٰكُمْ فِيهِ﴾ (۲۵) (سورة الأحقاف: ۲۶) اس آیت کریمہ میں "في" کے بعد آنے والا ما موصولہ ہے اور اس ما کے بعد آنے والا "إن" نافیہ ہے نہ کہ شرطیہ۔ شرطیہ قرار دینے سے اس کے لیے جزا کو مقدر ماننا پڑے گا، لیکن نافیہ ماننے سے کوئی عبارت بھی مقدر ماننے کی ضرورت نہیں؛ اس لیے شام کے مشہور فقیہ اور مفسر وہبہ الزحیلی نے اپنی کتاب **الموسوعة القرآنية الميسرة** میں اس حرف "إن" کے بارے میں عربی میں یہ جملہ استعمال کیا ہے: إن مكنا كم: "إن" حرف نفي۔ (۲۶)

یہاں خطاب مشرکین مکہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین سے ہود علیہ السلام کی قوم عاد کے بارے میں فرماتے ہیں: ہم نے انھیں (قوم عاد کو) ایسی قوت دی جو تم کو نہیں دی تاکہ کفار مکہ سمجھیں کہ جب اللہ تعالیٰ قوم عاد کو ان کی اتنی قوت کے باوجود ہلاک کرنے پر قادر تھا تو وہ تو ان کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آنا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہیے۔

مشکل ۵: کلمات کے بعض نادر استعمالات اور خصوصیات

قرآن کریم میں بعض افعال ایسے ہیں جن کی ایسی خصوصیات ہیں جو کم مواقع پر استعمال ہوتی ہیں۔ اگر ان پر عام قواعد کی تطبیق کی جائے تو معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات میں موجود افعال پر بحث کی جائے گی۔

۲۴- القرآن،۳۶: ۳۲۔

۲۵- القرآن،۴۶: ۲۶۔

۲۶- وہبہ الزحیلی ودیگر، **الموسوعة القرآنية الميسرة** (دمشق: دار الفكر، ۲۰۰۲ء)، ۵۰۶۔

۱- ﴿لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾ (۲۷) یہاں ظلمتم فعل ماضی ہے۔ بہ ظاہر ترجمہ اس طرح بنتا ہے: "آج قیامت کے دن جب آپ نے ظلم کیا آپ کا عذاب میں شریک ہونا آپ کو فائدہ نہیں دے گا۔" لیکن ظلم تو کفار نے قیامت کے دن نہیں، بلکہ دنیا میں کیا، اس لیے یہاں جار اللہ زمخشری نے کہا ہے کہ یہاں مراد فعل ظلم کا ثابت ہونا اور واضح ہونا (بغیر کسی شبہ کے) ہے جو کہ قیامت کے دن ہو گا۔ یہ استعمال افعال کے عام استعمالات کی طرح نہیں ہے۔ انھوں نے عربی شاعری سے اس کی نظیر پیش کی ہے۔ (۲۸)

۲- فرعون کے بارے میں لفظ ملیم استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ﴾ (۲۹) باب افعال یہاں استحقاق کے لیے ہے جس طرح کہ "ألام الفرع" میں ہے جس کے معنی ہیں قوم کا سردار ملامت کا مستحق ہو گیا۔ اگر اس خاصیت کا مترجم کو علم نہ ہو تو وہ یہاں ملامت کرنے والے سے اس کا ترجمہ کرے گا جس کے لیے نفسہ مقدر ماننا پڑے گا اور پہلے والے معنی کے لیے کسی قسم کی تقدیر کی ضرورت نہیں۔ ترجمہ اس طرح ہو جائے گا: "تو ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ لیا اور سمندر میں پھینکا، اس حال میں کہ وہ (فرعون) ملامت کا مستحق ہو گیا تھا۔"

فرعون اپنے کاموں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو ساحر اور مجنون کہنے کی وجہ سے ملامت کا مستحق ٹھہرا تھا۔ یہ خاصیت بھی باب افعال کی خاصیات میں سے ہے۔

مشکل ۶: مفعول مطلق کا ترجمہ

ترجمۂ قرآن میں ایک دشواری مفعولِ مطلق کے ترجمے میں پیش آتی ہے۔ اس کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مفعول مطلق کا ترجمہ فارسی زبان میں بغیر تکلف کے آسان نہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں: "اگر مفعول مطلق برائے مجرد تاکید باشد بدون تکلف وارجاع بحرف دیگر میسر نہ شود۔" (۳۰)

۲۷- القرآن، ۴۳: ۳۹۔

۲۸- جار اللہ زمخشری، **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل و عیون الأقاویل في وجوه التأویل**، ۴: ۳۵۳۔

۲۹- القرآن، ۵۱: ۳۹-۴۰۔

۳۰- شاہ ولی اللہ الدہلوی، المقدمۃ فی قوانین الترجمہ تحقیقی مجلہ، **شعور و آگہی** (لاہور: ادارہ رحیمیہ، س ن)، ۱۱۷۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اردو، پشتو اور انگریزی میں کیسے مفعول مطلق کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ کیا تکلف سے کام لیا گیا ہے یا درست ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ رہ نمائی امید ہے دیگر زبانوں میں ترجمہ کرنے والوں کے لیے معاون ہو گی۔

اردو تراجم میں مفعولِ مطلق کے ترجمے کا کوئی خاص التزام نظر نہیں آتا۔ معاصر تراجم میں مولانا تقی عثمانی کے ترجمے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے تاحدِ امکان کوشش کی ہے کہ کسی طرح مفعول مطلق کے ترجمہ کے لیے سیاق و سباق کے مطابق تعبیر فراہم کی جائے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیتیں مع ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

۱۔ ﴿اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا﴾ (ہم نے اوپر سے خوب پانی برسایا۔)

۲۔ "اے پیغمبر تمھارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمھیں فیصل نہ بنائیں۔ پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو، اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کریں"[۳۱] وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا میں تسلیما کا ترجمہ Underline کیا ہے۔

۳۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾[۳۲]
(بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔)[۳۳]

۴۔ ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾[۳۴] (یقین رکھو کہ اس نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور انھیں خوب اچھی طرح گن رکھا ہے)[۳۵]

اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ مولانا تقی عثمانی نے صحیح طور پر مفعول مطلق کے تاکیدی معنی

۳۱۔ ترجمہ القرآن، ۴: ۶۵۔

۳۲۔ القرآن، ۳۳: ۵۶۔

۳۳۔ نفس مرجع، ۸۳۲۔

۳۴۔ القرآن، ۱۹: ۹۴۔

۳۵۔ نفس مرجع، ۶۱۵۔

کے اندراج کی کوشش کی ہے۔ اس میں "خوب"، "اچھی طرح" اور "مکمل طور پر" جیسی تعبیرات فعل کے آخر میں مفعول مطلق کی جگہ نہیں لائے، بلکہ ترتیب میں اردو زبان کی رعایت کی ہے۔ انگریزی میں یہ کام آربری نے Adverb سے لیا ہے، مثلاً اس نے: وکلا تبرنا تتبیرا میں Uttery استعمال کیا ہے جس کا ترجمہ اردو میں "مکمل طور پر" سے کیا جاتا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: And each we ruined utterly اور ہر ایک کو ہم نے مکمل طور پر تباہ کیا ۔ Piktal نے فعل کے بعد مصدر سے کام لیا ہے لیکن مصدر سے پہلے اسم صفت لایا ہے۔ مثلاً: [۳۶] ...and each (of them) we brought to utter ruin. اور کبھی with کا بھی استعمال کیا ہے، مثلاً: وسلموا تسلیما کا ترجمہ کیا ہے: ...and salute him with a worthy salutation[۳۷] یہی وہ ترجمہ ہے جس کی طرف شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "بدوں ارجاع بحرف دیگر میسر نہ شود" سے اشارہ کیا ہے، یعنی دوسرے لفظ کے بغیر مفعول مطلق کا ترجمہ میسر نہیں ہوگا۔

دوسری زبانوں میں بھی یہ کام یا ب اسلوب اپنایا جاسکتا ہے، مثلاً پشتو میں "بنہ" "پہ مکمل طور" "پہ بشپڑہ توگہ" (افغانی پشتو میں)، "پہ خہ طور"۔ اور یہ قطعاً ضروری نہیں کہ یہ الفاظ مفعول مطلق کی جگہ رکھے جائیں؛ کیوں کہ یہ دوسرے زبانوں کے محاورے میں اپنی خاص جگہ پر ہوتے ہیں، ان سے ہٹانا فائدے کے بجائے نقصان دہ ہوتا ہے۔

اب ہم ایک پشتون عالم کی کوشش کی تحلیل کرتے ہیں کہ انھوں نے مفعولِ مطلق کے ترجمے کی کوشش کی ہے اور اپنی تفسیر اور ترجمے کی ابتدا میں اس حقیقت کا بھی اظہار کیا ہے کہ بہت سے مترجمین نے مفعول مطلق کو بغیر ترجمے کے چھوڑا ہے۔[۳۸] چناں چہ اس عالم (مفتی عبدالولی خان) کے ترجمے سے کچھ اقتباسات لیتے ہیں:

اللہ کے ارشاد: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ کا ترجمہ یوں کیا ہے: (بیشکہ ہم داخبرہ دہ چہ اللہ غواڑی چہ لہ تاسونہ اے اہل بیتو گناہ کڑی لری او تاسو پاک کڑی خہ پاکول۔)

۳۶۔ القرآن الکریم، (ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۸ء)، ۲۴۹۔

۳۷۔ نفس مرجع، ۲۹۶۔

۳۸۔ ترجمہ قرآن کریم، مفتی عبدالولی خان، در ضمن تفسیر **احسن الکلام** از عبدالسلام رستمی (لاہور: دارالسلام، س ن)، ۱۴۰۔

﴿وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا﴾ (قسم دے په الوزونکو باد ونو بنه الوزول)

﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ (او دہ تہ لہ ہر سہ نہ جدا شہ پورہ جدا کیدل)

﴿وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا﴾ (او دہ تہ م فراخی ور کڑہ ڈیرہ فراخی)

﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ (یقینا دہ د دے احاطہ کڑی اوپی شمیرلی دی خہ شمیرل)

اس عالم نے اپنے ترجمے میں یہ کام تو بہت اچھا کیا ہے کہ مولانا تقی عثمانی کے ترجمے کے الفاظ "خوب"، "مکمل طور پر"، "خوب اچھی طرح" کا پشتو مترادف لایا ہے۔ تاہم دونوں کے اسلوب میں یہ فرق ہے کہ مولانا تقی عثمانی نے "خوب اچھی طرح" اور "مکمل طور پر" کو اردو زبان کی ترتیب کے مطابق فعل اور فاعل سے پہلے ذکر کیا ہے؛ جب کہ مفتی عبدالولی خان نے مصدر کا لفظی ترجمہ بھی کیا ہے اور ساتھ ہی "خوب"، "مکمل طور پر" کا مترادف بھی مصدر کے ترجمے سے پہلے ذکر کیا ہے۔ اگر ہم عربی کے جملے: قرأ الکتاب قراءۃ ، کا اردو میں ترجمہ کریں گے تو ترجمہ اس طرح بنے گا: "اس نے کتاب پڑھی خوب پڑھنا" لیکن اردو میں یہ اسلوب غیر مانوس اور خلافِ قواعد ہے، اسی طرح پشتو میں بھی یہ استعمال موجود نہیں ہے؛ کیوں کہ پشتو میں اس طرح نہیں کہتے: "کتاب یے ولوست لوستل"۔ اگر اس کے ساتھ "خوب"، "اچھی طرح"، "مکمل طور پر" جیسے الفاظ کے مترادفات بھی مصدر سے پہلے لائیں تب بھی پشتو کے جملوں میں الفاظ کے ترتیب کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

باقی پشتون مترجمین نے تو فعل اور فاعل کے بعد مصدر کا لفظی ترجمہ نقل کیا ہے جو کہ واضح انداز میں پشتو کے قواعد کی خلاف ورزی ہے اور اس قسم کے ترجمے پر بھی شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف صادق آتا ہے کہ فارسی زبان میں عربی کے مفعول مطلق کا ترجمہ بغیر تکلف کے آسان نہیں۔

برصغیر میں اردو کے اہل زبان علما نے اسی وجہ سے اکثر جگہ مفعول مطلق کا ترجمہ چھوڑا ہے؛ کیوں کہ ان کو احساس تھا کہ اردو کے جملوں کی ساخت کی خلافت ورزی ہو جائے گی۔

مولانا تقی عثمانی نے تقریبا ہر جگہ مفعولِ مطلق کا ترجمہ مصدر کے ٹھیٹھ ترجمے سے نہیں کیا ہے، جس طرح پشتو مترجمین نے کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے اردو جملے کی ساخت کا بھی پاس رکھا ہے۔

مفعولِ مطلق کے ترجمے میں "خوب"، "مکمل طور پر" وغیرہ جیسے الفاظ تاکید کا معنٰی دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح مفعول مطلق نکرہ ہوتا ہے اور نکرہ کبھی تعظیم و تفخیم کے لیے آتا، اسی طرح یہ فعل کے معنٰی کی تاکید کے لیے بھی آتا ہے، جس طرح وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اور لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا میں ہے۔ اسی طرح تعظیم و

تفخیم کے لیے بھی آتا ہے۔ ابن عاشور نے اس حقیقت کا اظہار و مهدت له تمهيدا کی تفسیر میں کیا ہے۔[۳۹] اسی طرح علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں **وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا** میں تبدیلا کو بطور نکرہ نمایاں کیا ہے کہ "انھوں نے اپنے ارادوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی"۔[۴۰] مولانا تقی عثمانی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: "انھوں نے ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔"[۴۱] اور یہ ذرا بھر کا مفہوم بعض پشتون مترجمین نے بھی پشتو میں ترجمہ کیا ہے۔ مفعول مطلق جب نفی اور نہی میں آتا ہے تو ترجمہ اس طرح بنتا ہے۔

اس لیے پشتوں مترجمین سے گزارش ہے کہ وہ بھی مولانا تقی عثمانی کا طریقہ اپنائیں اور انھوں نے اپنے ترجمۂ قرآن (**آسان ترجمۂ قرآن**) میں مختلف سیاقوں میں مفعول مطلق کے لیے اثبات، نفی اور نہی میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے مدد لیں۔

مشکل ۷: عربی زبان کا ایک خاص اور منفرد اسلوب

یہاں ایک ایسے اسلوب کے بارے میں گفت گو کی جاتی ہے جو دوسری زبانوں جیسے اردو، فارسی، پشتو اور انگریزی وغیرہ میں نہیں ملتا۔ وہ اسلوب یہ ہے کہ ایک **فعل** متعدی اور اس کے مفعول بہ کے بعد ماموصولہ لایا جائے اور صلہ کے طور پر وہی **فعل** مع مفعول بہ کے لایا جائے۔ مثلاً فرعون اور اس کے لشکر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ**﴾ جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ: "ان کو سمندر میں سے گھیر لیا اس نے جس نے ان کو گھیر لیا،" لیکن عرب لوگ اسے کسی چیز کی بڑی مقدار یا کسی وصف کی بڑی شدت مثلاً عذاب کی شدت اور خوب صورتی کی انتہا کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آیت کریمہ کی شرح اس طرح ہوگی کہ سمندر کے پانی میں سے ایک بڑی مقدار نے ان کو ڈھانپ لیا جس کا حقیقی تصور غائب انسانوں کے لیے بڑا مشکل ہے۔ اسی طرح سدرۃ المنتہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿**إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى**﴾ جس کی تفسیر یہ ہے کہ سدرۃ المنتہی کو اس چیز نے ڈھانپا جس کی خوب صورتی کی کوئی انتہا نہ تھی (اور کوئی معمولی چیز نہیں تھی جس کا حقیقی تصور نہ دیکھنے والے کر سکیں)۔ اسی طرح عذاب کی انتہائی شدت ظاہر کرنے کے لیے قرآن کریم کی

۳۹- الطاہر بن عاشور، **التحرير و التنوير** (بیروت: مؤسسة التاريخ، س ن)، ۲۹: ۲۸۳۔

۴۰- وما بدلوا تبديلا أي تبديلاًما لا أصلا ولا وصفا بل ثبتوا عليه. شہاب الدین الدین محمود الوسی، **تفسير روح المعاني** (بیروت: دار احياء التراث العربي)، ۲۱: ۱۷۲۔

۴۱- مفتی محمد تقی عثمانی، مرجع سابق، ۸۲۱۔

ایک آیت ہے: ﴿فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى﴾ (تو بستیوں کو شدید عذاب نے گھیر لیا(جس کا حقیقی تصور نہ دیکھنے والے نہیں کر سکیں۔) عربی زبان میں اس اسلوبِ تعبیر سے جو غیر معمولی کیفیت بیان کرنا مقصود ہے، وہ کسی اور زبان کے اسلوب میں ممکن نہیں۔۔

مشکل ۸: بعض متفرق مسائل

ا- بعض اوقات قرآن کریم کے کسی لفظ کے لیے دوسری زبان میں مترادف ہوتا ہے، لیکن اس کی تلاش غور و تدبر کی متقاضی ہوتی ہے۔ مثلاً وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا میں ضبحا کے لیے پشتو کے تراجم میں عربی تفاسیر کی شرح کا ترجمہ کیا گیا ہے اور صحیح مترادف جاننے کی زحمت نہیں کی گئی۔

پشتو کے ترجمے کا اردو ترجمہ اس طرح بنتا ہے: اس حالت میں کہ دوڑنے والے گھوڑے سینہ سے آواز نکالتے ہیں۔ حالاں کہ سینہ سے آواز نکالنا پشتو محاورے میں معروف نہیں ہے، یہ گویا کہ شرح کا ترجمہ ہے۔

راقم نے مختلف پشتو تفاسیر میں اس لفظ کا ترجمہ تلاش کیا لیکن ایک مناسب مترادف کی تلاش میں مایوسی ہوئی، یہاں تک کہ ایک تفسیر بنام **کشاف القرآن** (پشتو) میں اس کا ترجمہ "پہ دے حالت کی چہ پر شبگی" سے پایا جو کہ صحیح ترجمہ ہے اور اردو ترجمے " ہانپنا" اور انگریزی ترجمے " Panting "کے مطابق ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ مفسر نے اس طرح کیا ہے: ﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا﴾ (قسم دے پہ پویہ وھونکو اسونو چہ پر شبگی) [۴۲]

۲- عربی میں جملہ فعلیہ فعل سے شروع ہوتا ہے، اس کے بعد فاعل آتا ہے، جب کہ کبھی مسند الیہ فعل سے پہلے بھی آتا ہے، لیکن معنیٰ میں کچھ تبدیلی آجاتی ہے۔ یا تو مسند الیہ حصر کے لیے آتا ہے اور یا فعل کی تاکید کے لیے آتا ہے یا دونوں کے لیے۔ میرے علم کے مطابق اردو، پشتو، انگریزی اور فارسی میں یہی ترتیب مستعمل ہے لیکن معنی پہلی صورت کا دیتی ہے۔ اب اگر پہلی ترتیب تبدیل نہ کی جائے تو اردو، انگریزی، پشتو اور فارسی میں ترتیبِ الفاظ کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے اور اگر دوسری صورت میں ترتیب برقرار رکھی جائے تو قصر (حصر) اور تقویت (تاکید) یا دونوں کے معنی منعکس نہیں ہوتے۔ اس حقیقت کو شاہ اللہ ولی اللہ دہلوی مندرجہ ذیل عبارت سے سمجھاتے ہیں: "در عربی گویند: قام زید، و در فارسی گویند: زید ایستاد اور اگر گویند ایستاد زید

۴۲- محمد ادریس، **کشاف القرآن** (پشاور: یونی ورسٹی بک ایجنسی، س ن)، ۲: ۱۶۵۸۔

رکیک باشد۔"(ترجمہ: عربی میں کہتے ہیں: قام زید (قام سے زید کو پہلے لاتے ہیں لیکن اگر فارسی میں اس کا ترجمہ (ایستاد، کھڑا ہوا) پہلے لائیں گے تو رکیک ہو گا۔) اس پر انگریزی، اردو، پشتو کو بھی قیاس کرنا چاہیے۔ جن جگہوں میں ترجمہ میں ترتیب عربی کے مطابق ہے پشتو، اردو اور انگریزی کے مطابق نہیں، وہاں ترتیب کو صحیح کرنا پڑے گا ورنہ ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے مطابق رکیک ہو جائے گا۔ اگر ترتیب اردو، پشتو یا انگریزی کے مطابق ہو تو وہاں پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ حصر کے لیے ہے یا تاکید کے لیے یا دونوں کے لیے؛ جس طرح " اللّٰہُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ" میں ہے۔ ابنِ عاشور لکھتے ہیں:" فتقديم المسند إليه على الخبر الفعلي هنا لإفادة تقوي الحكم لا محالة ثم يفيد مع ذلك قصر المسند على المسند إليه. "[۴۳] (مسند الیہ کی خبرِ فعلی پر تقدیم حکم کی تقویت کا فائدہ دینے کے لیے ہے، نیز اس سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ مسند، مسند الیہ میں محصور رہے۔) مراد یہ ہے کہ " اللہ (ہی) (یقیناً) ان کو استہزا کا بدلہ دیتا رہتا ہے۔ "۔ حصر کے لیے "ہی" جیسے الفاظ کا اضافہ کیا جائے گا، مثلاً الرحمن علم القرآن کے ذیل میں مولانا تقی عثمانی نے حصر کے لیے ترجمہ کا آغاز اس طرح کیا ہے:" وہ رحمان ہی ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی۔[۴۴] "الله یرزقها وإیاکم" کا ترجمہ ہے:" اللہ ہی ہے جو ان کو اور آپ کو رزق دیتا ہے۔" راقم نے محمد الطاہر بن عاشور کی تفسیر کے علاوہ اور کوئی ایسی تفسیر نہیں دیکھی جس کے بارے میں کہا جائے کہ اس نے حصر اور تقویت یا دونوں کی تعیین کا التزام کیا ہو، اس لیے اس سلسلے میں اس تفسیر سے مفسر اور مترجم کے لیے استفادہ از حد ضروری ہے۔

آخر میں ہم نتائج اور تجاویز پیش کرتے ہیں۔

نتائج اور تجاویز

۱۔ مذکورہ بالا دشواریوں کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترجمہ و تفسیر قرآن ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اس کام کے لیے عربیت کا گہرا علم ضروری ہے۔ کتب تفسیر سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے لیے صرف کی معیاری کتب جیسے شرح شافیہ ابن الحاجب سے استفادہ بہت ضروری ہے۔

۲۔ بعض صیغوں اور بعض افعال جیسے إعتاب، استعتاب وغیرہ، جو کہ بڑی تفصیل کے ساتھ یہاں

۴۳۔ محمد الطاہر بن عاشور، **التحرير والتنوير**(تونس: الدار التونسية للنشر، ۱۹۸۴ء)، ۱: ۲۹۳۔

۴۴۔ مفتی محمد تقی عثمانی، مرجع سابق، ۱۰۳۷۔

لکھے گئے ہیں، کی نادر خاصیات کا مطالعہ از بس ضروری ہے تاکہ ان کے بارے میں غلط تعمیم سے کام نہ لیا جائے۔

۳۔ عربی کے وہ الفاظ جو برصغیر کی زبانوں میں شامل ہو گئے ہیں جیسے نہر اور قہر (پشتو میں بمعنی غصے کے) ان سے قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کے دوران علاقائی معنی مراد نہ لیے جائیں، بلکہ ان کے علاقائی اور عربی معنوں میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اس طرح کے الفاظ کے ترجمہ و تفسیر میں بڑی غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔

۴۔ ایسے الفاظ جو کئی معانی کے حامل ہیں ان کے معنی مراد کی تعیین کے لیے بڑی کوشش کی ضرورت ہے جس طرح کہ إلقاء جیسے الفاظ کی شرح میں تفصیل سے بحث کی گئی۔ اسی طرح ضال اور اس جیسے الفاظ کے بارے میں تعمیم Overgenerlization سے گریز کیا جائے۔ اس لیے معتبر علما نے جو ترجمہ اور تفسیر کی ہو علاقائی زبانوں میں ترجمہ کرنے والے علما ان کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ مثلاً سورۂ الضحیٰ میں وارد لفظ "ضالا" کا ترجمہ "بے خبر" سے کیا جائے، جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر **معارف القرآن** میں بھی ہے۔ محسن خان اور تقی الدین ہلالی نے بھی Unaware سے اس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ علاقائی زبانوں جیسے چترالی، شینا اور بروہوی میں ترجمہ کرنے والے علما بھی اس طرح احتیاط برتیں۔

۵۔ عربی میں فعل و فاعل کی ترتیب اردو، انگریزی اور پشتو سے مختلف ہے اس لیے اگر ان زبانوں میں ترجمے میں عربی کی ترتیب برقرار رکھی جائے تو ترجمے میں رکاکت آجاتی ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے فارسی زبان کے حوالے سے لکھاہے، تاہم یہی حقیقت پشتو، اردو اور انگریزی پر بھی صادق آتی ہے۔۔ اگر عربی میں ترتیب ان زبانوں کے مطابق ہو جائے تو حصر اور تقویت حکم (اور کبھی کبھی دونوں) میں سے ایک کو متعین کر کے مناسب ترجمہ کیا جائے اور اس تعین میں محمد الطاہر بن عاشور کی تفسیر سے استفادہ کیا جائے، کیوں کہ آپ کی تفسیر کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس تعیین کا التزام کیا ہے جو کہ دوسری عربی تفاسیر میں اس طرح باقاعدہ التزام کے ساتھ نہیں ملتا۔

۶۔ مفعول مطلق کے بارے میں بھی ابن عاشور کی تفسیر سے استفادہ کیا جائے۔ پہلے جو معلومات مفعول

مطلق کے بارے میں دی گئی ہیں، یہ ان جملوں کے بارے میں ہیں جس میں نفی اور نہی نہ ہو یعنی مثبت جملوں کے بارے میں۔ نہی اور نفی میں مفعول مطلق نفی اور نہی کی تاکید کے لیے آتا ہے جس طرح کہ ولا تبذر تبذیرا اور ما بدلوا تبدیلا میں ہے۔ کبھی مثبت جملوں میں بھی حقیقی معنی کی تاکید کے لیے آتا ہے جیسے وکلم اللہ موسی تکلیما میں، لیکن مفعول مطلق نکرہ جو تعظیم و تفخیم کے لیے آتا ہے، کے ساتھ تاکیدی معنی بھی لازم ہوتے ہیں۔ نفی میں کبھی مفعول مطلق تعمیم کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ علامہ آلوسی نے "وما بدلوا تبدیلا" میں لکھا ہے "تبدیلاً ما" یعنی انھوں نے کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

List of Sources in Roman Script

- Abdul Waheed, Dr. *Jadeed Shu'ara e Urdu*, Lahore: Feroz Sons, n.d.
- Barni, Zia ud Din, *'Azmat e Rafta*, Karachi: Ta'leemi Markaz, 1961.
- Fazal ur Rehman, Syed, *Mo'jam ul Qur'an*, Karachi: Zawwar Academy Publications, 2008.
- Mahmood Hasan, Shaikh ul Hind, Maulana, *Tarjumat ul Qur'an al-Hakeem*, Lahore: Taj Company Limited, n.d.
- Mazhar Siddiqi, *Seemab Lafz Lafz*, Karachi: Bazm e Seemab, 1979.
- Muhammad Aslam, Professor, *Khuftagan e Karachi*, Lahore: Idarah Tehqeeqat Pakistan, Danshgah Punjab, 1991.
- Mukhtar e Haq, Muhammad 'Alam, *Qur'an e Majīd kay Urdu Tarājim o Tafaseer*, Sayyarah Digest (Qur'an No), 41:6 (1984).
- Saafi, Mahmood bin Abdul Raheem, *al-Jadwal fi I'rab al-Quran*, Beirut: Moassisat al-Eman, 1418 A.H.
- Saliha Abdul Hakeem, *Qur'an e Hakīm kay Urdu Trājim*, Karachi: Qadeemi Kutab Khana, n.d.
- Seemab Akbarabadi, *Wahy e Manzoom*, Karachi: Seemab Academy, n.d.
- Shah Abdul Qadir, Muhadis Dehlvi, *Al-Qur'an al-Karim ma 'Fawaid Mauzih Qur'an*, Lahore: Pak Company, n.d.
- Siddiqi, Ahmad Husain, *Dabistānon kā Dabistān*. Karachi: Muhammad Husain Academy, 2003.
- Siddiqi, Hamid Iqbal, *Seemāb Akbarabadī*, New Dehli: Sahtia Academy, 2009.
- Thanvi, Asharaf Ali, Maulana, *Al-Quran al-Hakeem Ma'Tarjuma wa Tafseer*, Lahore: Taj Company Limited, n.d.
- Wafa Rashidi, Dr. *Meray Buzurg Meray Ham 'Asar*, Karachi: Maktaba Isha't e Urdu, 1995.